

بحث و نظر

جماعت اسلامی اور سیاسیاتِ پاکستان

۱۔ جناب جاوید انصاری صاحب مدیر معاون یونیورسل میسج۔ کراچی

۲۔ جناب فتی عثمان چیف ایڈیٹر عربیہ۔ لندن۔

۳۔ مدیر ترجمان القرآن۔

ماہنامہ عربیہ کے تازہ شمارے (ماہ ربیع الاول ۱۴۰۶ھ مطابق دسمبر ۱۹۸۵ء) میں جناب جاوید انصاری نے جماعت اسلامی کی ایک حامیانہ تصویر پیش کی ہے۔ اس پر جناب فتی عثمان چیف ایڈیٹر عربیہ نے بطور خاص تبصرہ کیا ہے۔ جماعت کو انقلابیت سے ہٹ کر ”دعوۃ“ کا راستہ اختیار کرنے کی تلقین کی ہے۔ اس سلسلے میں نذیر ترجمان القرآن نے بھی محسوس کیا کہ کچھ کہنا ضروری ہے۔ مجھے اپنی رائے مرتب کر کے مرتب کر کے براہ راست ”عربیہ“ کو بھیجوانی ہے، مگر اس وقت اس کا ترجمان القرآن میں آنا ضروری ہے۔

میری سہولت کے لیے جناب پروفیسر آسی ضیائی رام پوری اور براء و عزیز عبدالباقی احمد دونوں نے متذکرہ مضامین کے اردو تراجم فراہم کر دیئے تاکہ رسلے کی تیاری میں تاخیر نہ ہو۔ اُمید ہے کہ یہ تحریریں قارئین کے لیے دلچسپ ہی نہیں، بہت مفید بھی ہوں گی۔

(نہ ر ص)

(۱۱)

جناب جاوید انصاری مدیر معاون ”میسج“ کراچی

گزشتہ برسوں میں جماعت اسلامی پاکستان انتقید و تذلیل کی کئی مہموں کا موضوع رہی ہے۔

اس مضمون کا مقصد ان نکتہ چینیوں کا جائزہ لینا اور شدہ سے شدہ تک کے کٹھن دور میں جماعت کی پالیسیوں کا معقول اور متوازن دفاع کرنا ہے۔

مسٹر بھٹو نے جس جمہوریت کو چٹا کر دیا تھا اس کی بجالی کے لیے تحریک میں جماعت پیش پیش تھی۔ مگر اس تحریک میں شامل چند بے صبر عناصر جلد ہی الگ ہو گئے اور فوج کو پاکستان کی قومی سیاسی زندگی پر قبضہ مستحکم کر لینے دیا گیا۔ ۱۹۷۹ء سے ۱۹۷۹ء تک کے عرصے میں تحریک میں شامل جماعتوں نے بالعموم فوج سے مفاہمانہ رویہ اختیار کیے رکھا۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ نئی فوجی انتظامیہ نے وہ خطیبانہ سیاسی نعرہ اپنا یا جو بہت دلکش تھا۔ جنرل ضیاء نے پاکستان میں اسلامی سیاسی نظام قائم کرنے کا وعدہ کیا۔ انھوں نے علامتی اصلاحات اور معاشی پالیسیاں نافذ کیں، جن کا مثبت اثر ہوا، اور انھوں نے جلد ہی نمائندہ حکومت بحال کرنے کا بھی وعدہ کیا۔

اگر تشریح میں جو سول انتظامیہ قائم کی گئی اس میں دو مقاصد کے پیش نظر جماعت بھی شامل ہو گئی۔ اولاً وہ اس طریق پر حاوی ہو جانا چاہتی تھی جو پارلیمانی جمہوریت کی بجالی پر منتج ہو۔ ثانیاً وہ ایسی قومی پالیسی اور اصلاحات بروئے کار لانا چاہتی تھی جو پاکستان میں اسلامی نظام معاشرت تعمیر کرنے کی راہ ہموار کر سکیں۔ نو ماہ کا وہ عرصہ جب جماعت حکومت میں شامل تھی، نہایت مایوس کن ثابت ہوا۔ ہم میں سے جو صاحبان وزارتوں میں آئے وہ جنرل ضیاء اور اس کے فوجی حلیفوں کے اسل عزم سے باخبر ہو گئے۔ یہ واضح ہو گیا کہ فوجی حکومت معاشرے کو اسلامی بنانے سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتی۔ اس کا تو مقصد اسلام کو اسی طرح استعمال کرنا تھا جیسے بھٹو سوشلزم کو اور فیڈرل مارشل ایوب خان قومیت کو استعمال کر رہے تھے۔ یوں اسلامی بنانا محض معاشرے کو سیاست سے الگ رکھنے اور اور فوجی آمریت کو دوام بخشنے کا ایک ذریعہ تھا۔ جماعت کی وزارتوں نے شدہ سے شدہ تک کے عرصے میں جو پالیسیاں تجویز کیں ان کی بڑی اکثریت کو صدر اور اس کے مشیروں نے مسترد کر دیا۔

۹۷۹ء سے شدہ تک جماعت فوجی انتظامیہ کی پالیسیوں کی کڑی مخالف رہی۔ ان پالیسیوں میں کھلے تضادات سے جماعت کی قیادت کو تشویش تھی تاہم بعض رفقاء کی دلیل یہ تھی کہ صدر خود تو ایک مخلص مسلمان ہے مگر سول انتظامیہ اس کی پالیسیوں کو ناکام بنائے رہی ہے۔ اس طرح ضرورت تھی کہ جس اسلامی فکر کی نمائندگی کا صدر کو دعویٰ تھا اس کی تائید کی جائے اور ان پالیسیوں کے نفاذ کے لیے ایسے ادارے اور

طریقے وضع کیے جائیں جو نوکر شاہی کو قابو میں رکھیں۔

ارکان جماعت کی بھاری اکثریت نے اس حکمت عملی کی توثیق کر دی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صدر ضیاء کو اس سال قومی استصواب میں جماعت کی حمایت حاصل رہی۔ اس استصواب سے حکومت کے ”اسٹامپ“ کے لیے کیے جانے والے اقدامات کی توثیق مطلوب تھی۔ مگر استصواب سے کچھ ہی قبل جنرل ضیاء نے ایک ٹیلی وژن نشریے میں کہا کہ اس توثیق کا مطلب وہ یہ لیں گے کہ انہیں مزید پانچ سال تک پاکستان کے صدر بنے رہنے کا پروانہ مل گیا۔ جماعت جنرل ضیاء کی حمایت پر رضا مند ہو گئی، کیونکہ امیر جماعت میاں طفیل محمد سے ایک ملاقات میں صدر نے وعدہ کیا کہ وہ شریعت کو ملک کا بالادست قانون بنائیں گے۔ سترہ مکا دستور تمام وکمال بحال کر دیں گے اور غیر مشروط طور پر مارشل لا اٹھالیں گے۔

جماعت کے جو رہنما شہرہ آفاق سول امتطاء میر میں وزیر رہ چکے تھے انہیں صدر کی وعدہ خلافی پر کوئی تعجب نہ ہوا۔ وہ چھ سال پہلے ہی جان گئے تھے کہ فوجی قیادت، افسر شاہی کے اختیارات گھٹانے یا عوامی ناسندگی کے لیے اسباب پیدا کرنے کا، جس سے افسروں کو قابو میں رکھا جاسکے، کو کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔ ان رہنماؤں کا کہنا تھا کہ جماعت حکومت کی نافذ کردہ ”نفاذ اسلام کی اسکیم“ کا پول کھول دے اور عوام کو بتا دیا جائے کہ یہ محض پاکستان پر فوجی آمریت جاری رکھنے کا ایک پردہ ہے۔

وسط شدہ میں جماعت نے فیصلہ کیا کہ قومی اور تمام صوبائی اسمبلیوں میں حزب اختلاف کا کردار ادا کرے، نیز اس نے اس کے لیے بھی مساعی تیز کر دیں کہ ایک وسیع بنیاد سیاسی پروگرام پر مبنی قومی اتحاد قائم کرے۔ اس پروگرام کے کلیدی عناصر یہ ہیں:

— شہرہ کے دستور کی تمام وکمال بحالی اور پاکستان میں اسلامی جمہوریت کا قیام۔

— پاکستان کی قومی سالمیت کا تحفظ اور شہرہ کے دستور کے عطا کردہ چھوٹے سوبوں کے حقوق کی بحالی۔

— جہاد افغانستان کی حمایت جاری رکھنا۔

جماعت کو فوجی حکومت سے تعاون پر بھی ہدف نکتہ چینی بنایا گیا ہے اور اس کی مخالفت کے لیے ایک قومی سیاسی اتحاد قائم کرنے کی کوشش کر بھی۔ میرا یہ منشا نہیں کہ ان میں سے کسی حکمت عملی کا دفاع کروں۔ میں جس نکتے پر زور دینا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اسلامی اقدار اور اسلامی نظریہ سیاسی کے تناظر میں یہ دونوں حکمتیں بالکل جائز ہیں۔ کسی ایک سیاسی تدبیر کا انتخاب سیاسی طور پر ہینگا، بلکہ شاید بہت ہی مہنگا

پڑ سکتا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں یا جاسکتا کہ بطور ایک اسلامی انقلابی جماعت کے، جماعت اسلامی کے لیے یہ جائز نہیں۔

ایک اسلامی انقلابی پارٹی ہوتے ہوئے جماعت سے وقتاً فوقتاً سیاسی غلطیاں بھی ہو سکتی ہیں عجات نے اپنے ارکان اور کارکنوں کی اخلاقی و روحانی تربیت پر خاطر خواہ توجہ نہیں دی۔ کچھ کارکنوں میں دنیا کی طرف میلان پیدا ہو چلا ہے اور اسلامی کام سے اُن کا رویہ پیشہ وارانہ سا بن گیا ہے۔ اس کا نتیجہ پارٹی ڈسپلن ڈھبلا پڑ جانے اور پاکستانی معاشرے پر جماعت کے کام کا اخلاقی اثر ہلکا ہو جانے کی صورت میں رہنا ہوا ہے۔

شہر کی تحریک میں جو فوائد حاصل ہوئے تھے، جماعت انہیں اختیار کرنے - INSTITUTION - ALISING - میں کامیاب نہ ہو سکی۔ مزید برآں، انتخابی سیاست پر زیادہ توجہ دینے کے باعث سماجی اور تعلیمی کام، جو جماعت نے اپنے نئے لے رکھے تھے، اُن کی طرف سے بھی بے اعتنائی برقی گئی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ پاکستان کے شہروں اور قصبوں میں عوامی بنیاد قائم کر لینے کے بہت سے مواقع جماعت نے کھو دیئے۔ سب سے بڑھ کر یہ امر نقصان دہ ہوا کہ انقلابی نظریے کے فروغ کی طرف ناکافی توجہ دی گئی۔ بہت سے پالیسی اقدامات بیرونی محرکات کے فوری (ADHOC) تقاضوں کے تحت عمل میں آئے۔

جماعت کو شدید خطرے کا سامنا ہے کہ اس کی نگاہوں سے اسلامی معاشرے کی تشکیل کے عمل کا مربوط منظر اوجھل نہ ہو جائے اور وہ اس عمل کو دوسروں کے سامنے آشکارا کرنے کی صلاحیت کے لحاظ سے کوتاہ ثابت ہو۔ اگر ایسا ہو گیا تو پھر عملیت اور تجربیت ہی پارٹی کے بنیادی اصول بن کر رہ جائیں گے۔

جماعت کو جو ناکامیاں ہوئیں اُن کی وجہ سے کتنے ہی رفقاء کو مایوسی ہوئی اور کچھ جماعت سے لکل بھی گئے، مگر انہیں پاکستان کی لادینی قوتوں کا مقابلہ کرنے کے قابل کوئی اور پلیٹ فارم تیار کرنے میں ناکامی ہوئی، بلکہ اکثر نے توبہ کو کشش ہی نہیں کی۔ جماعت اسلامی ہی ملک میں وہ تنہا سیاسی اور سماجی قوت ہے جو پاکستان میں ایک اسلامی معاشرہ تشکیل دینے کے لیے پائیدار تحریک چلانے کی اہل ہے۔ یہ اس لیے کہ مولانا مودودیؒ کا پیش کردہ انقلابی نظریہ قطعی درست ہے اور آج کی مسلم دنیا میں نظریاتی اور

سماجی حالات میں انتہائی موزوں بیچتا ہے۔ اس کا خلاصہ ذیل کے قضیوں میں سمیٹا جاسکتا ہے۔

— نوآبادیاتی استعمار کے تحت مسلم معاشروں میں باقاعدہ طبقہ بندی (FUNCTIONAL DISTINCTION) نمایاں ہے جو حکمران گروہ کی سماجی علیحدگی پسندی میں نظر آتا ہے، اور یہ طبقہ اصلاً بیرونی استعمار کی حمایت کے بل پر سیاسی اقتدار پر فائز ہے۔

— ان معاشروں کے اسلامی کردار کی بحالی کا تقاضا ہے کہ ان زبردستی کے سیاسی دھرماتماؤں کو بے دخل اور منتشر کر دیا جائے اور منظم مسلم طاقتوں کے ماتھے میں سیاسی اقتدار مستحکم کر دیا جائے۔

— مسلم ممالک میں اسلامی معاشرہ تعمیر کرنے کا واحد پائیدار آلہ ایک اسلامی انقلابی جماعت ہی ہو سکتی ہے۔ ایسی پارٹیاں اپنے سماجی اثرات کو سیاسی اقتدار میں بدل دینے ہی سے غرض رکھیں نہ کہ جبرتی اصلاحات سے۔

یہ امر کہ جماعت اسلامی ایک اسلامی انقلابی پارٹی ہے، دو باتوں سے ظاہر ہے۔ قیام پاکستان ہی یہ جماعت پاکستانی سیاست میں فعال رہی ہے۔ وہ جبرتی اصلاحات پر کبھی مطمئن نہیں ہوئی۔ بلکہ اپنی تمام سرگرمیاں پاکستان میں اسلامی اصول سیاست و عدلیت کی تعبیر کے بنیادی کام میں صرف کرتی رہی ہے۔ — شہیدین، شہیدین، شہیدین اور شہیدین پاکستان کا اسلامی تشخص منوانے اور جمہوریت بحال کرانے والی تمام قومی تحریکوں میں مرکزی کردار جماعت ہی کا رہا ہے۔ — شہید سے ایم۔ آر۔ ڈی کے تجربے نے ثابت کر دیا ہے کہ پاکستان میں بحالی جمہوریت کی کوئی قومی تحریک، جماعت کی فعال شرکت کے بغیر نہیں چل سکتی۔ آج جماعت اسلامی ہی پاکستان کی وہ واحد قومی جماعت ہے جو ایسی کوئی قومی تحریک منظم کر سکتی ہے جو عزم و فداکاری کی عملی طاقت بھی رکھتی ہے اور ایسی قیادت بھی جو ملک کے قومی اور اسلامی مفادات کو ذاتی مفاد پر فوقیت دینے کی اہل ہے۔

قربانیوں دینے کی اعلیٰ صلاحیت رکھنا جماعت کی قیادت کا ہمیشہ سے نمایاں وصف رہا ہے۔ قیادت کے اندر پالیسی کے مسائل پر اختلافات نے جماعت کو ہمیشہ تقویت ہی بخشی ہے۔ گزشتہ سالوں میں میاں طفیل محمد اور پروینر غفور کے مابین پالیسی تناظروں میں اختلافات پر بہت سے ہمدردوں کو تشویش ہوئی بعض مخالفین نے اس پر خوش ہو کر جماعت کی یقینی شکست و ریخت کی پیش گوئیاں بھی کیں۔ مگر جماعت کے اندران میں سے کسی رہنما نے بھی مایوسی ظاہر نہ کی۔ میاں طفیل محمد ایک نہایت محبوب امیر ہیں۔ جنہوں نے

ارکان کے لیے بلند اخلاق کا نمونہ قائم کیا ہے اور پروفیسر غفور کی سیاسی بصیرت کا بھی وسیع احترام کیا جاتا ہے۔ اور جماعت کا سیاسی کردار دوبالا کرنے میں ان کا کام نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ جماعت ہمیشہ جمہوری تنظیم پر کام کرتی آتی ہے۔ اور جب تک انفرادی قربانیاں اور اللہ کی رضا کے لیے کام کرتے رہنے کا عزم باقی رہے گا۔ سیاسی مناظروں میں اختلافات جماعت کی تقویت ہی کا باعث بنتے رہیں گے۔ یہ اختلافات جماعت کی اندرونی زندگی میں جمہوری کردار کے مظہر ہیں۔ ان سے یہ بھی عیاں ہوتا ہے کہ جماعتی قیادت اختلافی سیاسی پسند و ناپسند سے باخبر ہے اور اپنی قومی حکمت عملی میں لحاظ کا عنصر شامل کر لینے کی اہل بھی ہے۔

پاکستان کے علمبرداران اسلام کو جماعت کے قریب تر آنا چاہیے۔ پاکستان کی قومی سالمیت برقرار رکھنے اور اس کا اسلامی کردار منوانے کے لیے یہ ایک اہم قوت کی نمائندگی کرتی ہے۔ ماضی میں اس نے سیاسی غلطیاں بھی کی ہوں گی۔ مگر بطور ایک اسلامی انقلابی جماعت کے، یہ تعمیراتی تنقید کی حوصلہ افزائی کرتی ہے اور ماحول کے تغیرات سے ہم آہنگ ہو جانے کی اہلیت کا ثبوت بھی دے چکی ہے۔ پاکستان کو اسلامی انقلابی خطوط پر چلا کر بدل ڈالنے کا اس کے سوا اور کوئی سیاسی ادارہ موجود نہیں ہے۔ جماعت پاکستان کا مستقبل بناتے ہیں اہم کردار ادا کیا چاہتی ہے۔ پاکستان کے اسلامی انقلابیوں کا جو اس جماعت کی حمایت کر کے اور اس کی قیادت کے گرد جمع ہو کر بے یار و مددگار رہ جانے سے بچ سکتے ہیں، یہی قدرتی ملجا و ماویٰ ہے۔ (ترجمہ: پروفیسر آسی ضیائی، دمام پوری)

(۲)

جناب فتی عثمان چیف (یڈیٹر عربیہ)، لندن

میں اپنی اس تحریر کی یاد تازہ کر رہا ہوں جو میں نے ڈاکٹر جاوید کے خط (عربیہ جون ۱۹۸۵ء) پر لکھی تھی۔ میں اب بھی اس یقین پر قائم ہوں کہ مسلم انقلابی (REVOLUTIONARY ISLAMIST) یا اسلامی انقلابی (ISLAMIC REVOLUTIONARY) کی اصطلاح ان لوگوں کو نہیں سمجھتی جو اسلام کے پیغام کو جامعیت اور اس کی امتیازی شان کے ساتھ پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اسلام کا دار و دار پیغام انہی کی حیثیت سے دعوت پر ہے اور اس کے مخاطب تمام لوگ ہیں۔ ظالم بھی اور مظلوم بھی۔

وہ ان کے دلوں اور مانگوں کو روشن اور ہر روز دلائل اور مؤثر کردار کے ذریعے خدا کی طرف موڑنا چاہتا ہے:

”اے نبی! اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو بحکمت اور عموماً نصیحت کے ساتھ

اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقہ پر جو بہترین ہو۔“ (النحل: ۱۲۵)

یہاں تک کہ خدا کے رسول موسیٰ اور ہارون علیہما السلام جو ایک بہادر حکمران فرعون کی طرف بھیجے گئے، انہیں بھی ہدایت کی گئی کہ وہ اسے خدا کا پیغام جس قدر ممکن ہو قابل قبول طریقے سے پہنچائیں۔

”جاؤ تم دونوں فرعون کے پاس کہ وہ سرکش ہو گیا ہے اس کے ساتھ نرمی سے

بات کرنا شاید کہ وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر جائے“ (طہ: ۴۳-۴۴)

ایمان والوں کو تو اپنا اور اپنے عقیدے کا دفاع کرنا ہی ہے جبکہ ارباب اقتدار بھی ہمیشہ ان کو دباتے اور ان کے پیغام کو خاموش کرنے کے لئے قوت کا استعمال کرتے ہیں۔ میرے نزدیک تصادم کی پالیسی سے اسلام کے حق میں بہتر نتائج برآمد نہیں ہوتے۔ کسی بھی گروہ کو اس وقت تک دشمن تصور کرنا درست نہیں ہوتا جب تک دشمنی ایک ٹھوس حقیقت نہ بن جائے۔ مختلف گروہوں کے متضاد مفادات کا حل بنیادی طور پر ایک خدا پر یقین رکھنے میں ہے۔ اس نوع کے باہمی نزاعات کو حل کرنے کے لئے خدائی تعلیمات و قوانین کی مکمل اطاعت ضروری ہے۔ اگر کوئی صاحب ثروت شخص آسائش زندگی کے میسر سامان اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے تو اسے محض اس بات پر اسلام کا انکار کرنے والا تصور نہیں کر لینا چاہیئے، کیونکہ خدائی پیغام کے اوصاف اور بنی آدم کو خدا کے عطا کردہ روحانی اور علم و دانش پر مبنی کمالات بسا اوقات انقلاب آفرین اور بنیادی تبدیلی کے سبب بن جاتے ہیں۔ دعوت کی حکمت عملی میں اہل ایمان کو جمع کرنا اور منظم کرنا زیادہ اہم اور فائق ہے۔

”اور اس شخص سے اچھی بات اور کس کی جوگی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک

عمل کیا اور کما کہ میں مسلمان ہوں اور نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں۔ تم بدی کو

اس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو۔ تم دیکھو گے کہ تمہارے ساتھ جس کی عداوت

پڑی ہوئی تھی، وہ جگر می دوست بن گیا ہے۔ یہ صفت نصیب نہیں ہوتی مگر ان لوگوں کو جو صبر کرتے ہیں، اور یہ مقام حاصل نہیں ہوتا مگر ان لوگوں کو جو بڑے نصیبے والے ہیں۔“ (طہ السجدہ ۳۵-۳۳)

”اے نبی، برائی کو اس طریقہ سے دفع کر دو جو بہترین ہو۔ جو کچھ باتیں وہ تم پر بناتے ہیں وہ ہمیں خوب معلوم ہیں۔“ (المومنون - ۹۶)

یہ عین ممکن ہے کہ اسلامی تحریک کے کچھ لوگ معاشرے کی اساسی تبدیلی کا اسلامی تعلیمات پر مبنی تصور مؤثر، واضح، قابل عمل اور موزوں انداز میں پیش کرنے سے قاصر ہیں، اس کے ساتھ ہی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس انقلاب کی وہ ترغیب دلاتے اور تبلیغ کرتے ہوں وہ بانجھ اور بنجر نکلے، اس انداز فکر و عمل کی بناء پر عوام اس کے فوائد سے محروم رہتے ہیں۔ یہ میرا پختہ یقین ہے کہ اسلام کے لئے، جو تمام بنی نوع انسان کے لئے خدا کا پیغام ہے ”مستقل انقلاب“ کا لغو اختیار نہیں کیا جاسکتا۔ ایک اسلامی تحریک کے لئے موزوں تر لقب ”مستقل دعوت“ ہے۔ وہ جو معاشرے کی اساسی تبدیلی کے اسلامی پیغام کو پیش کرتی اور اس کی اشاعت کرتی ہے۔ اس کی تشکیل متعدد عوامل سے ہوتی ہے۔ عقل اور اخلاق، انصاف اور امن کی تمام جہتوں میں — روحانی اور مادی، سماجی اور سیاسی، داخلی اور بین الاقوامی ہر شعبے میں۔

”تم میں کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہی رہنے چاہئیں جو نیکی کی طرف بلائیں، بھلائی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکتے رہیں۔ جو لوگ یہ کام کریں گے وہی صلاح پائیں گے۔“ (آل عمران - ۱۰۴)

”اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لئے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ اہل کتاب ایمان لانے تو انہی کے حق میں بہتر تھا (آل عمران - ۱۱۰)

کسی بھی نوع کی نزاعی صورتحال میں عقلی استدلال اور پرامن حل کو ترجیح حاصل ہونی چاہیے قوت کا استعمال صرف اسی صورت میں کیا جاسکتا ہے جب دلیل آزمائی گئی ہو اور ناکام ہو چکی ہو

اور کوئی مخالف قوت مسلسل جارحیت پر تلی ہو۔

”اور اگر اہل ایمان میں سے دو گروہ آپس میں لڑ جائیں تو ان کے درمیان صلح کرادو پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ سے زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے۔ پھر اگر وہ پلٹ آئے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرادو اور انصاف کرو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں، لہذا اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات کو درست کرادو اور اللہ سے ڈرو، امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔

(المحرات - ۱۰ - ۹)

اب جماعت اسلامی چاہے تو ڈاکٹر جاوید کی اپنے بارے میں ”ایک انقلابی جماعت“ ہونے کی رائے کو قبول کرے یا رد کر دے۔ میرا اپنا خیال یہ ہے کہ مولانا مودودی نے اپنی اردو تحریروں میں جو لفظ ”انقلاب“ استعمال کیا ہے اور جو عربی تراجم میں بھی موجود ہے، معاشرے میں اساسی تغیر پیدا کرنے والے اسباب کی طرف نہیں بلکہ خود اس ”بنیادی تغیر“ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ پیغامِ الہی کی حیثیت سے اسلام کا یہ وصف ہے کہ یہ مطلوبہ تبدیلی کو انسان کی باطنی آمادگی (CONVICTION) پر تعمیر کرتا ہے اور یہ طاقتور اور کمزور کو یکساں طور پر مخاطب کرتا ہے اس لئے کہ یہ ہر بنی آدم کے دل و دماغ کو مخاطب کرتا ہے۔ معاشرے میں بنیادی تغیر، ایسے تغیر کی دعوت دینے والی تحریک، میں جمہور کی شرکت اور ان کی مادی اور اخلاقی ضروریات کی تکمیل کو صرف انقلابی کے ”لیبل“ تک محدود نہیں رکھا جاسکتا۔

ہر اسلامی تحریک کو ان مقاصد تک پہنچنے کے لئے ایسا منصوبہ بنانا چاہیئے جس میں موجود ماحول اور زمان و مکان کے عملی تقاضوں کا خیال رکھا جائے۔ یہ اہتمام بھی کر لیا جائے کہ یہ اسلامی تعلیمات کی رہنمائی میں ہو۔ ہر کسی نقطہ نظر سے جو پینز انقلابی معیار کے طور پر متعارف کی جاتی ہے مکمل ہے اسے عملیت (PRAGMATISM) تجربیت (EMPIRICISM) یا اصلاح کاری (REFORMISM) کہہ کر رد و خوار نہ کر دے بلکہ اسلام نقطہ نظر سے یہ لازماً کوئی شجر ممنوعہ نہیں ہے۔ مفکرینِ اسلام کی یہ نہایت سنجیدہ ذمہ داری ہے کہ وہ سماجی تبدیلی کے سلسلے